جب پذیرائی نہ ملے

دوسروں کے ساتھ میل جول کے دوران—خواہ وہ خاندان ہو، دوست ہوں یا ساتھ کام کرنے والے ساتھی—ہم اکثر اپنے خیالات، مشوروں یا بصیرت کا تبادلہ کرتے ہیں۔ تاہم، یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ اس وقت ہماری باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اور پھر مہینوں یا برسوں بعد وہی لوگ ان باتوں کو اس طرح دہراتے ہیں جیسے انہوں نے ابھی ابھی کوئی نئی حقیقت دریافت کی ہو۔ عرصہ پہلے وہی بات کرنے والے شخص کے لیے یہ صورتحال کافی مایوس کن ہو سکتی ہے۔ ذہن میں یہ خیال آتا ہے: **"میں نے یہ بات عرصہ پہلے کہی تھی—تب کسی نے کیوں نہیں سنی؟"** اعتراف کی یہ کمی انسان کو تکلیف دیتی ہے، خاص طور پر جب یہ ان لوگوں کی طرف سے ہو جو ہمارے قریب ترین ہوتے ہیں۔

لیکن کیا ہمارا اصل مقصد پذیرائی حاصل کرنا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ دانائی کی بات شیئر کرتے وقت ہمارا مقصد کبھی بھی اپنی پذیرائی حاصل کرنا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل اہمیت اس بات کی ہے کہ کیا اس پیغام سے سننے والے کو کوئی فائدہ پہنچا یا نہیں۔ اگر کوئی خیال کسی کی زندگی کو بہتر بنا دیتا ہے—خواہ وہ کسی دوسرے شخص کے ذریعے ہی ان تک پہنچے—تو اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ وسیع تناظر میں دیکھا جائے تو دوسروں سے ملنے والی پذیرائی عارضی ہے؛ حقیقی اجر اللہ کے پاس ہے، جو ہر مخلصانہ کوشش کو ریکارڈ کرتا ہے اور اسے کبھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔

سیکھنے کا عمل پیچیدہ اور باہمی میل جول پر منحصر ہے۔ بسا اوقات ایک ہی سچائی کو کسی دوسرے شخص کی زبان سے اور کسی مختلف وقت پر سننے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ دل میں اتر سکے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک استاد کسی نکتے کی وضاحت کرے لیکن اسے کامیابی نہ ملے، اور پھر وہی نکتہ کسی دوسرے استاد کے ذریعے اچانک واضح ہو جائے۔ اس سے پہلے استاد کی قدر و قیمت کم نہیں ہو جاتی؛ یہ صرف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ کسی بھی چیز کی بہتری کے لیے پیغام، وقت اور وصول کرنے والے کے درمیان ایک درست ہم آہنگی کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے باوجود، پذیرائی کی خواہش ایک انسانی فطرت ہے۔ ہم فطری طور پر چاہتے ہیں کہ ہماری کاوشوں کی قدر کی جائے، خاص طور پر ان لوگوں کی جانب سے جو ہمارے قریبی ہیں۔ یہ خواہش بذات خود غلط نہیں ہے، لیکن اسے ایک اعلیٰ مقصد کے ساتھ متوازن کرنا ضروری ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ لاتعداد گمنام افراد نے بڑی تحریکوں کو جلا بخشی ہے۔ ہر نامور رہنما کے پیچھے کچھ ان سنی آوازیں اور نادیدہ ہاتھ ہوتے ہیں جن کی

کوششیں اتنی ہی اہم ہوتی ہیں، اگرچہ انہیں عوامی سطح پر کبھی وہ مقام نہیں ملا۔ ان کا صلہ انسانی تعریف میں نہیں بلکہ اپنے مقصد کی تکمیل اور اللہ کے حضور سرخروئی میں ہے۔

خدمت کے راستے پر چلنے کے لیے دو بنیادیں ضروری ہیں: ایک تو خود اس مقصد کے ساتھ مکمل وابستگی اور دوسرا آخرت کے ابدی انصاف پر پختہ یقین۔ ان سہاروں کے ساتھ ہم پذیرائی کی طلب سے بے نیاز ہو سکتے ہیں، دوسروں کی ترقی میں دلی سکون پا سکتے ہیں اور اس بات پر بھروسہ کر سکتے ہیں کہ کوئی بھی مخلصانہ کوشش کبھی ضائع نہیں ہوتی۔

آخر میں، سوال بالکل سادہ ہے: کیا ہم صرف پذیرائی کے لیے جیتے ہیں، یا کوئی مثبت تبدیلی لانے کے لیے؟ اگر ہمارا مقصد دوسروں کی زندگی میں بہتری لانا ہے، تو پھر کسی پذیرائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی—صرف مثبت نتیجہ ہی کافی ہے۔